

1947ء کے بعد پاکستانی پنجابی تھیٹر کے روپ

ڈاکٹر نگہت خورشید ☆

Abstract:

It is commonly belived that the Punjabi theatre in the subcontinent was started by Nora Chand's Drama Festival in 1941-15 and "Nanda's dramas Sabhdra and Lalli Da Wiah. But modern research shows that this is the part of the tradition initiated by impacts of English. History establishes that Punjabi theatre has been played for centuries in local fares in form of folk lores. This article is a reviewal study of Pakistani Punjabi theatre.

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا کہ برصغیر میں پنجابی ڈراما ”نور ارچرڈ“ کے ترتیب دیئے گئے ڈراما فیسٹیول 1914-15ء اور آئی سی نندا کے ڈراموں ”سبھدرا“ اور ”للی داویا“ سے شروع ہوا لیکن جدید ریسرچ سے واضح ہوا ہے کہ یہ ڈراما برصغیر میں کھیلے جانے والے اُس ڈرامے کی روایت کا محض حصہ ہے جو انگریزی اثرات کے بعد یہاں پر شروع ہوا۔

تاریخ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ برصغیر میں پنجابی ڈرامہ صدیوں سے گاؤں میں درختوں کے میلوں ٹھیلوں میں لوک داستانوں اور قصے کہانیوں کے نانگی انگ کی صورت میں کھیلا جا رہا ہے۔ پنجابی ڈرامے کی روایت 1947ء کے بعد بھی جاری رہی۔ زیر نظر مضمون میں 1947ء کے بعد پاکستانی پنجابی ڈرامے کا مختصر آ جائزہ لیا جائے گا۔

1947ء کے بعد پاکستانی پنجابی نانک کی تاریخ کا بیشتر حصہ وہ لوک نانک ہے جو دور دراز علاقوں گاؤں اور شہروں میں میلوں ٹھیلوں میں عوام کو سستی تفریح مہیا کرنے کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ یہ نانک شام کو شروع ہوتے رات گئے تک جاری رہتے ان میں عورتوں کے کردار بھی مرد ہی ادا کرتے۔ سستے قسم کے کاسٹیوم اور میک اپ کا استعمال بھی کیا جاتا۔ ان نانکوں میں سینری اور پراپس وغیرہ کو ثانوی حیثیت دی جاتی

جبکہ کردار اور مکالموں کو خاص اہمیت دی جاتی۔ نائک کے کردار مکالمے کے ساتھ گیت دہڑے اور منقبت گاتے اس کے علاوہ سٹیج کے ایک جانب گانے والوں کی ٹولی طبلہ ہارمونیم کے ساتھ موجود رہتی اور نائک میں مختلف مواقع پر گیتوں کے ذریعے نائک کو مزید پُر اثر بناتی۔ ان نائکوں میں وہی فنکار زیادہ کامیاب ہوتے جو اداکار کے ساتھ ساتھ خود گانے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان نائکوں کی کہانی عموماً سوئی مہینوال، ہیرا بھجا، سسی پنوں، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، پورن بھگت، کیا ملکی، ڈھول بادشاہ، مرزا صاحبان، عرب کا سوداگر وغیرہ جیسے قصوں کی بنیاد پر بنائی جاتیں۔ قیام پاکستان کے بعد اسحاق فریدی کے والد نے ملتان بہاولپور، ساہیوال، مظفر گڑھ کے علاقوں میں لوک نائک پیش کیے۔ 1980ء میں والد کی وفات کے بعد اسحاق فریدی نے دوبارہ اپنے گروپ کو منظر کیا وہ اور اُن کا گروپ ابھی تک ملتان، بہاولپور، بہاولنگر، ساہیوال کے دور دراز کے علاقوں میں اور ٹھیٹر فیسٹیول میں نائک کو روایتی انداز میں پیش کر رہا ہے۔ سید اختر حسین اختر لکھتے ہیں:

”راس دراصل بہروپ بدل کر ڈراما یا نائک کھیلنا ہے اس لیے پنجابی میں اسے ہی سانگ کہتے ہیں۔ سانگ کا مطلب ہے نقل اُتارنا۔ اس لحاظ سے راس دھاریوں کو سانگی بھی کہہ لیا جاتا ہے۔ اس کے دوران کہیں کہیں لوگوں کی تفریح طبع کے لیے جگت بازی بھی کی جاتی ہے۔“ (۱)

ولایت علی گروپ نے ساہیوال، ملتان، چچہ وطنی، فیصل آباد کے علاقوں میں سانگ کھیلنے کا کام 1920ء کے قریب شروع کیا تھا جو قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔ 1992ء میں 75 سال کی عمر میں ان کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے اسرار صابر نے والد کے کام کو آگے بڑھایا اور پنجاب میں گولپی چند، پورن بھگت، عاشق رسول، سوہنا زینی، سوئی مہینوال، سسی پنوں وغیرہ نائک گاؤں اور مضافاتی علاقوں میں میلوں ٹھیلوں پر پیش کیے۔

افضل پرویز پٹھوہار کے علاقے میں باوامنگو کمہارا اور ان کے بیٹوں کے بنائے گروپ کا ذکر کرتے

ہیں:

”جنہوں نے شاہ بہرام کا سوانگ رچایا انہیں پورے پنجاب، ہزارہ اور کشمیر میں سوانگ رچانے کو بلایا جاتا تھا۔ راولپنڈی سے 12 میل دُور کرپا اور چراہ نامی دیہات کے رہنے والے تھے۔“ (۲)

برصغیر میں ڈرامے کی تاریخ کے متعلق افضل پرویز لکھتے ہیں:

”پٹھوہار ہی دراصل سانگ کی سرزمین ہے۔ سانگ میں گیت، ناچ اور سنگیت کے دونوں پہلو یک جان ہو کر سامنے آتے ہیں۔ اس میں اداکاری، تحت اللفظ، مکالمے، ناچ، گانا اور شاعری کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔“ (۳)

آج بھی ڈوردراز کے مضافاتی علاقوں اور گاؤں میں جہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن موجود نہیں مختلف راس دھار ہے گروپ روایتی لوک کہانیوں کو ناٹکی کرت کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ ان ناٹکوں میں نئی بادشاہ، دوست بادشاہ، ظالم بادشاہ، جنڈی دی وار، دُلے دی وار، ظالم جادوگر نی، وغیرہ شامل ہیں۔

ساری دنیا میں ڈرامے کی روایت عام طور پر مذہبی کہانیوں کی ناٹکی کرت کی بنیاد پر شروع ہوئی لیکن پنجابی ڈرامہ اس لحاظ سے انتہائی منفرد ہے کہ اس کی بنیاد شروع سے سیکولر اور معاشی، معاشرتی موضوعات پر رہی۔ قدیم روایت میں بھی پنجابی ڈرامہ عوامی پراکت، دراوڑی، منڈاری میں عوامی موضوعات کی بنیاد پر لکھا جاتا تھا جس میں بعد میں ہندو تہذیب کے برصغیر میں پھیلنے سے مذہبی موضوعات شامل ہوئے لیکن پاکستانی پنجابی ڈرامے کی روایت میں مذہب سے ہٹ کر عوامی مسائل اور رومانوی انداز ہی زیادہ مقبول رہا ہے۔

1947ء سے پہلے پارسی اور انگریزی طرز کے تھیٹر نے برصغیر میں کافی کام کیا ان تھیٹروں کے اثرات سے یہاں پر ڈرامے کی ایک اور روایت نے جنم لیا جس نے مقامی پنجابی لوک ڈرامے کی روایت کو بھی متاثر کیا۔ 1947ء سے قبل جو تھیٹر گروپ کام کر رہے تھے ان میں سے بہت سے 1947ء کے بعد پاکستان میں آ گئے۔ کئی نئی تھیٹر کمپنیاں بنیں اور کئی پرانی کمپنیاں مٹ گئیں۔ فضل شاہ نے پاکستان آرٹ سوسائٹی بنائی۔ شفیع بٹ نے آزاد کشمیر تھیٹر، باؤ جان محمد نے اتفاق تھیٹر، ولی شاہ تھیٹر، سرانیکھی علاقے میں گامن تھیٹر، اللہ بخش تھیٹر، ہمایوں تھیٹر، گلشن تھیٹر وغیرہ میں مقامی اور انگریزی اثرات کے تحت ناٹک پیش کیے جاتے ان تھیٹروں میں سکرپٹ لکھوانے کے لیے باقاعدہ نشی رکھے جاتے۔ سٹیج، پردہ اور سینری کا بھرپور استعمال کیا جاتا۔ ان تھیٹروں میں عورتوں نے کام کرنا شروع کر دیا بہتر کاسٹیوم اور اعلیٰ میک اپ کے استعمال سے مربوط قسم کے ناٹک پیش کیے جانے لگے۔ سرگودھا کی منڈی مویشیاں میں 1950ء کی دہائی سے خاص طور پر تھیٹر مقابلے کرائے جاتے اور مختلف تھیٹر گروپ لوگوں سے داد وصول کرتے۔ بہاولپور، ملتان، رحیم یار خاں، جھنگ، سرگودھا، انک، راولپنڈی لاہور غرض سارے پنجاب میں گاؤں اور بزرگوں کے عرس وغیرہ پر یہ تھیٹر گروپ روایتی لوک ناٹکوں کو کمرشل سطح پر عوام کے سامنے پیش کرتے۔

1970-75ء تک بھی تھیٹر اور بالی جٹی کے تھیٹر نے بہت شہرت کمائی۔ بالی جٹی نے اپنے تھیٹر میں سوہنی مہینوال، ہیرا رانجا، مرزا صاحبان، ڈھول بادشاہ وغیرہ ناٹک پیش کیے۔ اپنے ایک انٹرویو میں اُس نے بتایا:

”میں تھیٹر وچ ہیر وئن رہی آں۔ سسی، ہیر، سوہنی، تمیزن، لیلیٰ مجنوں وچ لیلیٰ تے ہے

ایس ڈرامے وچ لیلیٰ کوئی ہور کڑی مل گئی اے تے میں اوہنوں لیلیٰ بنا کے آپ مادر لیلیٰ

بن گئی۔ آپ منہ تے مجھاں لا کے رانجا وی بنی آں۔“ (۳)

ڈاکٹر فوزیہ سعید بالی جٹی کے بارے میں لکھتی ہیں:

”بالی سرگودھا اور میانوالی کے اضلاع میں بہت مقبول تھی۔ ان اضلاع میں مقبولیت کی

وجہ وہ مقامی لب و لہجہ تھا جو بالی نے سیکھا تھا۔“ (۵)

1960-70ء کی دہائی میں کسان تھیٹر شمع، تھیٹر، وطن تھیٹر، طفیل تھیٹر، آفتاب تھیٹر، پنجاب تھیٹر، بھی آرٹ سوسائٹی، عالم لوہار کے تھیٹر نے بھی کافی شہرت کمائی لیکن آہستہ آہستہ ان تھیٹروں میں مکالموں، کردار نگاری کے ذریعے ناک کرنے کا سلسلہ ختم ہونے لگا اور گانے بجانے اور لوک گیتوں کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ عالم لوہار کے تھیٹر کی مقبولیت سے ان تھیٹروں میں ناک کو زوال آنے لگا۔ حکومت کی جانب سے بھاری تفریحی ٹیکس نے لوک تھیٹر کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔ اس وقت صرف دو تھیٹر گروپ لکی تھیٹر اور جوہلی ایرانی سرکس کام کر رہے ہیں لیکن ان میں ڈرامے کے علاوہ گانے اور کرتب پیش کیے جاتے ہیں۔

پاکستان میں لوک تھیٹر کے زوال کے ساتھ ہی کئی اور قسم کے تھیٹر گروپس نے اپنی جگہ بنائی۔ 1960ء کے بعد لاہور میں پڑھے لکھے طبقے کے لیے جو ڈراما انگریزی اثرات کے تحت کھیلا جاتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ اُس کا جھکاؤ پنجابی ڈرامے کی طرف ہو گیا۔ 1970ء کی دہائی میں سجاد حیدر کے ڈرامے جھنجٹ، اللہ دی قسے، وارنٹ گرفتاری، گیٹ آؤٹ، گنجا میرا اور ٹوسٹ کافی مقبول ہوئے ان ڈراموں نے سنجیدگی سے مزاح کی طرف سفر جاری کیا۔ زبان اُردو اور پنجابی استعمال کی جاتی۔ یہ کمرشل ڈراما پاکستان آرٹس کونسل، پنجاب آرٹس کونسل، الحمراء، فلیٹز ہوٹل، سلاطین ہوٹل، راحت ہال، اوپن ایئر تھیٹر باغ جناح میں کھیلا جاتا اس قسم کے ڈراموں میں مزاحیہ مکالموں کا زیادہ استعمال کیا جاتا لیکن ایک مربوط سکرپٹ اور کہانی ہر ڈرامے کے اندر موجود رہی۔ اس دور کے دوسرے لکھنے والوں طفیل اختر، ایم شریف، سعید انجم، مرزا رشید اختر، مشتاق سیٹھی وغیرہ ہیں۔ ”بچ موڑتوں، ویننگ روم، بیسٹ آف لک، لاڈاں پٹی، جاہل فیملی تے میں اٹھ پاس، برائے فروخت“ اس دور کے مشہور ڈرامے ہیں۔

1979ء میں مظفر اقبال آفندی نے اپنے ڈرامے سکسر میں امان اللہ کو متعارف کرایا۔ امان اللہ نے ڈرامے میں ناک کی کرت کی بجائے طنز و مزاح اور جگت بازی کو فروغ دیا اس حوالے سے ان کے ڈرامے رنگ کنٹری اور شرطیہ مٹھے نے بڑا بزنس کمایا۔ اورنگ زیب لکھتے ہیں:

”آج کل ایک باہر سٹیج ڈراما کا زور بڑھ رہا ہے۔ آرٹس کونسل کے علاوہ کئی ایک ہوٹلوں

میں بھی ڈراما سٹیج ہو رہا ہے۔ تجارتی نقطہ نظر سے یہ ڈرامے کامیاب بھی ہیں کیونکہ لوگوں کی

ایک بڑی تعداد ان ڈراموں کو دیکھنے آتی ہے۔“ (۶)

اس دور کے لکھنے والوں میں افتخار حیدر، منیر راج، اقبال آفندی، جاوید حسن، جمیل بسمل وغیرہ شامل ہیں۔ 1980 سے 1996-97ء تک کمرشل پنجابی ناک کا عروج کا دور ہے۔ اس دور میں ناک میں باقاعدہ کہانی اور مزاحیہ مکالموں سے ناک کو دلچسپ بنایا جاتا تھا۔ منیر راج اس دور کا کامیاب ڈرامہ نگار ہے جس نے سو کے قریب ڈرامے لکھے لیکن 1997ء کے بعد پنجابی ناک میں فلمی اداکاروں اور ریڈ لائٹ

ایریاز کی خواتین کی آمد نے اس کمرشل پنجابی ٹانک کو ایک نیا موڑ دیا۔ اب ڈرامے میں ایک دولہمی گانے اور ناچ بھی شامل کئے جانے لگے یہ سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ اور بڑھا اور 2017ء تک کمرشل پنجابی ڈرامہ میوزیکل ٹانک یا مجرا ٹانک کی صورت اختیار کر چکا ہے جس میں جگت بازی، طنز و مزاح اور ناچ گانے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کرداری نگاری، ٹانگی کرت اور کہانی پس منظر میں چلے گئے ہیں بہر حال یہ میوزیکل ڈرامہ لاہور کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی کھیلا جاتا ہے اور بے انتہا مقبول ہے اور بزنس اور حکومتی آمدن کا بڑا ذریعہ بن چکا ہے جسے ویڈیو کے ذریعے گھر گھر بھی پہنچا دیا گیا ہے۔

لاہور کے علاوہ دوسرے شہروں میں کچھ پرائیویٹ گروپ بھی مختلف اوقات میں کمرشل پنجابی ڈرامہ سنجیدہ اور نیم مزاحیہ صورتحال کے ساتھ پیش کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے 1956ء میں راولپنڈی میں لعل تھیٹر گروپ نے اشفاق احمد کا ڈرامہ ٹاہلی تھلے اور آغا بابا کر ڈرامہ ”مخمرے دی لوڑ“ پیش کیا۔ 1975ء میں فیصل آباد میونسپل کمیٹی نے ڈراموں کا ایک مقابلہ کرایا جس میں ”تاریاں دی لوہ“، ”نہلے تے دہلا“ اور ”سن کے یار بناویں“ کھیلے گئے۔

فیصل آباد کرپن کمیونٹی بھی مختلف مواقع پر پنجابی ٹانکوں کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار عوام اور کمیونٹی کے سامنے کرتی رہتی ہے۔ بھٹو دور میں ٹانک ”اجا ڈوپتر“ 87-1986ء میں ”زنجیریں“ 1992ء میں ”غلامی“ اور ”قیدی نمبر 7“، ”ڈن دین دے“، ”چوہدری بلندا“ 2005ء میں ”اڈیک مگ گئی“ نے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ ان ٹانکوں کا معیار تو بہت اچھا نہ تھا لیکن کرپن کمیونٹی کی جانب سے فیصل آباد کے مختلف چوکوں پر یہ تھڑا ٹانک کی روایت کو آگے بڑھانے میں کافی کامیاب رہے۔

گوجرانوالہ میں شاہد اعجاز گروپ، رضوی گروپ، رضا یلین گروپ اور پنجاب آرٹس سوسائٹی گوجرانوالہ نے 97-1996ء میں کئی پنجابی ٹانک پیش کئے جس میں تھیٹر ہو تو ایسا، پاگل خانہ، بابے مار دیو، میں جو گن رانجھے دی شامل ہیں۔ یہ سارے ٹانک عمومی طور پر پنجابی میں پیش کیے جاتے ہیں۔

لوک تھیٹر اور کمرشل تھیٹر کے علاوہ پاکستان میں سنجیدہ ڈرامے کی ایک الگ تاریخی حیثیت ہے جس کا سلسلہ 1964ء میں ٹانک سجاد سے شروع ہوا جو الحماراء آرٹس کونسل سے پیش کیا گیا۔ فریزے مولنار کے ٹانک لٹی اون کا ترجمہ اکرم بٹ نے کیا تھا۔ اس میں سجاد اور کوکی محبت کو معاشرتی، معاشی، نفسیاتی اور رومانوی حوالے سے کھوجنے کی کوشش کی گئی تھی۔ صوتی تبسم اس ٹانک کے متعلق لکھتے ہیں:

”ایہہ کھیل بڑا پیچیدہ کرداروں دا کھیل اے تے اوہنوں ہتھ پاؤنا تہمت دا کم سی۔ پراکرم

بٹ نے بڑی ہمت کیتی تے مضبوط ہتھ پایا۔“ (۷)

روز نامہ امروز نے سجاد کے متعلق لکھا ہے:

”سجاد کا موضوع اور اس کے کرداروں کا عمل اُسے ایک سیشل پلے کی سطح پر لے گیا ہے۔ ہر منظر میں کھیل کے کردار اور تماشائی ایک مشترک روحانی تجربے سے گزرتے ہیں اور زندگی کی

نوکیلی صدائوں سے متصادم ہوتے ہیں۔“ (۸)

سجاول کے بعد ”جنگل دارا کھا“ 1967ء میں کھلیا گیا۔ اسے نجم حسین سید نے سعید انجم کے برنگالی ڈرامے سے ترجمہ کیا۔ یہ ایک علاقائی ڈراما ہے زور اور اقوام کی جانب سے تیسرے درجے کی اقوام پر مظالم کو ختم کرنے کی چارہ گر کوششوں کو علاقائی حوالے سے بتایا گیا ہے۔

نجم حسین سید کے اس ڈرامے نے پنجابی تھیٹر میں مزاحمتی روایت کو ایک نیا موڑ دیا۔ مزاحمتی تھیٹر اس سے پہلے روایتی لوک ناولک میں ”ڈلے بمبھی دی وار“، ”مرزا صاحبان دی وار“، ”جنڈی دی وار“ کی صورت میں لوک تھیٹر میں موجود تھا لیکن نجم حسین کے ڈراموں ”تخت لہور“، ”اک رات راوی دی، سہی دی وار، الفویہ پرنی دی وار، مسجر اسحاق کے مصلی اور قفس، سرد صہبائی کے ”شک شبہ دا ویلا“ اور ”تو کون“ پنجابی پرچار کمیٹی کی جانب سے گڈو، اجوکا تھیٹر کا بلھا، شاہد ندیم کی کتاب خصمان کھانیاں مزاحمتی تحریک کے حوالے سے ان ناولوں کو روایت کے ساتھ ساتھ نئے اور جدید دور کے مسائل سے جوڑ دیتے ہیں۔

پنجاب لوک رہس نے 1986ء سے لے کر اب تک پاکستان کے معاشرتی، معاشی، سماجی مسائل کو عالمی تناظر کے مسائل کی روشنی میں اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ جس میں ”دھرد“ مزدوروں کی تحریک سے متعلق کتن ہارے کھڈی گھریلو صنعتوں کے زوال سے متعلق ”دیہار“، ”زنانی“ اور ”کراٹ“ عورت کے مسائل سے متعلق ”دارو“ عوام میں صحت کے مسائل کے متعلق ”نور“ اور بقی دھاراں ہمارے بنیادی پیداواری ذرائع کے غلط استعمال سے متعلق ”گلوبل ویلج“ یورپی ملکوں کی ترقی پذیر ملکوں پر جدید ٹیکنالوجی، ہتھیاروں کے منفی اثرات سے متعلق ہے۔ سام دیو تیل شہزادے عراق پر امریکی تسلط سے متعلق لاہور اور مضافاتی علاقوں میں کھیلے گئے۔ یہ سارے ڈرامے پاکستانی پنجابی ناولک کی مزاحمتی روایت کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان میں پرائس اور لائٹس وغیرہ کا زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ موضوع کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ان ڈراموں میں شوقیہ فنکار، طالب علم، ڈاکٹر پروفیسر حصہ لیتے ہیں البتہ اجوکا تھیٹر کے کچھ ڈرامے پنجابی کے متوازی تھیٹر اور ٹوٹل تھیٹر کی روایت پر بھی کھیلے جاتے ہیں۔ ان ناولوں میں کہانی باقاعدہ پلاٹ کے ساتھ آگے چلتی ہے جس کا باقاعدہ آغاز اور انجام ہوتا ہے بناوٹ اور تکنیکی حوالے سے یہ جدید ڈرامے کی تمام تکنیکوں سے آراستہ ہوتے ہیں جن میں لائٹس پرائس پردہ سینئری کا بھرپور استعمال نظر آتا ہے۔ اجوکا تھیٹر کے ڈراموں کے موضوعات جدید دور میں پاکستان اور عالمی سطح کے مختلف مسائل ہیں۔

”اک مریا کتا“ برائی کی بجائے برائی کی جڑ کو ختم نہ کرنے سے متعلق علاقائی ناولک، جم جم جیوے جم پورہ، آبادی کے مسائل سے متعلق ہے۔ بالانگ میں ہٹلر کے فاشٹ نظام کو ہماری مقامی بھائی نکسالی کی روایت سے جوڑ دیا گیا ہے۔

”سینوں کاری کر بندے نی مانے“، ”کالا مینڈھا بھیس“ عورتوں کے سماجی مسائل کے متعلق خصمان کھانیاں کے ڈراموں کے علاوہ ”بلہ بول“ لہو سہاگ، سرخ گلاباں دامتوسم“ بھی اجوکا تھیٹر کی جانب سے پیش کیے گئے۔

پنجاب لوک رہس اور ارجو کا تھیٹر کے نائک پروسیئم اور تھرا تھیٹر / نکڑ نائک کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں 1980ء کی دہائی سے تھیٹر برائے تبدیلی نے بھی بہت کام کیا ہے۔ اس قسم کے تھیٹر کو عموماً نچلے طبقے کے لوگوں میں سوچ کی تبدیلی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس میں کسی بستی کے کسی خاص مسئلے کے بارے میں اُس بستی کے لوگوں کو ٹریننگ دے کے ایک نائک تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں مسئلے کا حل ایک سوال کے طور پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور عوام میں بیٹھے لوگوں کو ڈرامے کا حصہ بنا کے اُس مسئلے کا مناسب حال نائکی کرت کی صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

اکستو بوآل اس قسم کے نائک کے متعلق لکھتے ہیں:

”مکھوم لوگوں کی Poetic کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا بنیادی مقصد ہمارا مقصد ہو یعنی لوگوں کی تبدیلی۔ تماشائی جو کہ تھیٹر میں خاموش کردار ادا کرتے ہیں اس کیس میں

ادا کار بن جاتے ہیں جو کہ ڈرامے کا رخ تبدیل کر سکتے ہیں۔“ (۹)

گویا اس قسم کے تھیٹر میں تماشادیکھنے والا بھی ادا کار بن جاتا ہے۔ اس قسم کے ڈرامے انٹرا ایکٹو ریورس سنٹر لاہور، سنکٹانی تھیٹر راجن پور، کوہاٹ تھیٹر، برگد تھیٹر گروپ گوجرانوالہ، جاگ تھیٹر گروپ بہاولپور، سو جھلا نائک گروپ ملتان، ملتان تھیٹر گروپ ملتان، چولستان ڈویلپمنٹ سوسائٹی بہاولپور نے بھرپور انداز میں پیش کیے ہیں جبکہ بچوں کے حوالے سے پنجاب تھیٹر نے نمایاں کام کیا ہے۔

پنجاب تھیٹر ڈرامے ”بے زبان“، ”ستیاں اکھاں والے“، ”پچھان نائک“ مختلف سکولوں اور پن ایئر تھیٹر باغ جناح اور الحمراء میں پیش کیے گئے ہیں۔ آصف ہوت نے ”بھلیکھا“، منڈی، ان پڑھ تے دیو علم پری، چوگرده، امید کے عنوان سے بچوں کے لیے مختلف ڈرامے لاہور، فیصل آباد اور ساہیوال کے علاقوں اور مختلف ڈراما فیسٹیول میں پیش کیے ہیں۔

اس سارے تاریخی جائزے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پاکستان میں پنجابی ڈراما اپنی مختلف جہتوں میں تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور سرکاری نیم سرکاری پرائیویٹ گروپ ڈرامے کی ترقی میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

حوالے

- 1- سید اختر حسین اختر، ڈاکٹر، پنجاب کی وک ریت، لہراں ادبی بورڈ لاہور 2006ء، ص: 62
- 2- افضل پرویز، لوک تھیٹر، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، سن ہندار، ص: 25
- 3- ادبی، ص: 27
- 4- گل بات، ڈاکٹر ناصر رانا، بالی جٹی، ساہت (سالنامہ) 1997ء، ص: 42
- 5- فوزیہ سعید، ڈاکٹر، بالی جٹی لوک تھیٹر کی نامور فنکارہ، نیازمانہ (ماہنامہ) لاہور، دسمبر 2006ء، ص: 47
- 6- اورنگ زیب، سٹیج ڈراما، مشرق (روزنامہ) لاہور، 29 اپریل 1980ء
- 7- اکرم بٹ، ٹانک سجاول، یاسمہ صوفی تقسم، ادبستان لاہور 1970ء، ص: 6
- 8- امروز، روزنامہ 30 دسمبر 1964ء
- 9- عاصم کریم، تھیٹر آف پرسیکٹو، انٹرایکٹیو ریسورس سنٹر، لاہور 2003ء، ص: 115
- 10- آصف ہوت، گل بات، لوک بولی میلہ جڑانوالہ، 2005ء

